

## لسانیات ایک تاریخی جائزہ

### احسان الحق

انسانی شخصیت میں زبان ایک اہم مظہر کی حیثیت رکھتی ہے لہذا جس طرح انسان ابتداء ہی سے اپنے گرد پھیلی ہوئی کائنات پر غور و فکر کر رہا ہے، اسی طرح اس کے اندر پھیلی ہوئی کائنات بھی اسکی توجہ کا مرکز ہے۔ جس کے عجائبات گونا گوں اور جس کے اسرار لامتناہی ہیں۔ زبان بھی انہی اسرار میں سے ایک ہے۔ ارشاد باری ہے کہ: „وفی انفسکم افلا تبصرون“ - (۱) اور تمہارے نفس میں نشانیاں ہیں، تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اور یہ ارشاد کہ: „سنریہم آیا تنأ فی الآفاق و فی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق“ - (۲) ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق و انفس میں دکھائیں گے۔ تاکہ حق ان کے لئے واضح ہو جائے۔ زبان بھی انہی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ „ومن آیتہ خلق السماوات والارض و اختلاف السننکم والوانکم“ - (۳) اور اس کی نشانیوں میں آسمان اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ اور „فورب السماء والارض انہ لحقّ مثل ما انکم تنطقون“ - (۴) پس قسم ہے آسمان و زمین کے رب کی کہ وہ بیشک حق ہے (اسی طرح) جس طرح تم بولتے ہو۔ انسان کے علاوہ حیوانات میں باہمی رابطہ، زبان کے درجے تک پہنچا ہوا نہیں بلکہ وہ انسان کے مقابلے میں انتہائی ناقص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس رابطہ کو „بیان“ سے تعبیر فرمایا۔ „خلق الانسان علمہ البیان“ - (۵) انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔

چنانچہ علمائے لغت اور فلاسفہ صدیوں سے ان اسرار سے پردہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہیں جو انسانی زبانیں اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ یہ بنیادی سوالات ہمیشہ ہی سے موضوع بحث رہے ہیں کہ روئے زمین پر انسان کب سے آباد ہے اور کیا انسانی زبان کی ایک ہی اصل ہے؟ یا وہ کئی اصلیں رکھتی ہے۔ اس کی ابتداء کیسے ہوئی اور کیسے پھیلی؟ اور پھر اس میں تغیرات کس طرح سے آئے؟ زبانوں کے کتنے خاندان ہیں اور کون کونسی زبانیں کس کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟ نیز یہ کہ دنیا میں زبانوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور صدیوں کے پھیلاؤ پر ایک زبان میں صوتی، صرفی و نحوی اور دلالت الفاظ کے اعتبار سے کیا کیا تغیرات آتے ہیں؟ لہجات کیسے وجود میں آئے ہیں؟ معاشرہ کا زبان پر اور زبان کا معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ معاشرے کے مختلف طبقات کی زبانوں میں فرق کی کیا نوعیت ہے؟ انسانی زبان اور فکر کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بچے کے ہاں زبان کا اکتساب کس طرح سے ہوتا ہے؟ اور کیا تعدد لغات سے نجات حاصل کر کے ایک عالمی زبان وجود میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

یہ اور اس قسم کے سینکڑوں سوالات انسانی غور و فکر کے لیے مہمیز کا کام دیتے رہے ہیں۔؟ انسان نے ان مسائل پر کب سے غور و فکر شروع کیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ کتابت کی ایجاد سے پہلے اس میدان میں غور و فکر کا پتہ لگانا دشوار ہے البتہ اس سلسلہ کی پہلی کتاب سنسکرت کے قواعد پر پانینی (۶) نے چوتھی صدی قبل مسیح میں واضح دینی مقاصد کے پیش نظر لکھی۔ اس کتاب میں اس نے سنسکرت کے صوتی، صرفی و نحوی نظام کو نہایت خوبی سے واضح کیا۔ اس کتاب کا انکشاف علمائے یورپ نے انیسویں صدی عیسوی

میں کیا۔ اس انکشاف سے سنسکرت کا تعلق یورپی زبانوں سے واضح ہوا اور تقابلی لسانیات کے لیے زبردست تحریک پیدا ہوئی۔ جس نے انیسویں اور بیسویں صدی میں مقبولیت پائی۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ باوجود یکہ اہل یونان اور رومی لسانیات سے آگاہ تھے لیکن ان کے ہاں پانینی کی کتاب کے درجے کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ غالباً اس کا سبب قدیم یونان کا فلسفہ سے شغف تھا۔ انہوں نے لغت کی طرف بھی فلسفیانہ نقطہ نظر کے ساتھ توجہ کی۔ چنانچہ لغت کے سلسلے میں اہم مسئلہ جو علمائے یونان نے اٹھایا اور جس کے اثرات سے معاصر لغوی تحقیقات بھی نہ بچ سکیں، وہ یہ تھا کہ زبان فطری چیز ہے یا سماجی علامت ہے۔ افلاطون کا خیال یہ تھا کہ زبان فطری مظہر ہے اور کلمات اور ان کی آوازیں ایسے اجزا ہیں جو اپنے معانی سے الگ نہیں ہو سکتے۔ جبکہ ارسطو کے مکتب فکر کی رائے یہ تھی کہ زبان سماج کا مظہر ہے اور کلمات اور ان کی آوازیں رمزی اصطلاحات ہیں جن کا کوئی طبیعی یا راست تعلق معانی کے ساتھ نہیں ہے۔ چنانچہ پہلا مکتبہ فکر، ”توقیفیہ“ مشہور ہوا، جبکہ دوسرا، ”اصطلاحیہ یا تواضعیہ“ کہلایا۔ نظریہ توقیفیہ کے مطابق زبان وحی اور عطیہ الہی ہے۔ (ک)

جہاں تک قدیم یونانی زبان کے قواعد کا تعلق ہے تو اہل یونان حیرت انگیز طور پر پیچھے رہ گئے۔ ۱۸۰۰ قبل مسیح میں انہوں نے اس طرف توجہ کی اور اسکے بعد ان کی دیکھا دیکھی رومی بھی اس میدان میں آئے اور ہر دو نے اپنی اپنی زبانوں کے قواعد وضع کئے جو کہ فصیح زبان کی ترجمانی کرتے تھے نہ کہ اس زبان کی جو اس دور میں عام لوگوں میں مستعمل تھی۔ اسی وجہ سے یہ قواعد، ”معیاری قواعد“ کہلاتے۔ جو صدیوں تک غیر متغیر رہے اور اس زبان کے

عکاس رہے جو مٹ چکی تھی۔ ان قواعد کی دوسری خامی یہ تھی کہ یہ صرف رومیوں اور یونانیوں کی اپنی معیاری زبان کی حد تک محدود تھے۔ دوسری زبانوں کی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی تھی، چنانچہ یورپ میں جدید زبانوں پر یہ قواعد بعینہ منطبق کر دیئے گئے۔ حالانکہ ان زبانوں اور ان قدیم قواعد میں کوئی ہم آہنگی نہ تھی۔

عربوں نے عربی زبان کی طرف قرآن کی زبان ہونے کی بنا پر توجہ کی۔ چنانچہ لسانیات کے مطالعہ نے ان کے ہاں خوب فروغ پایا اور وہ بھی اس معرکہ میں شریک ہوئے جو زبان کی نشو و نما اور اس کی اصل کے بارے میں یونانیوں کے ہاں برپا تھا۔ عرب علماء دونوں مکاتیب فکر (ارسطو اور افلاطون) سے متاثر ہوئے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابن فارس (۸) نے زبان کے بارے میں نظریہ توقیفی کا دفاع کیا اور اس آیت سے استشہاد کیا کہ، «وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، اور آدم کو اس نے تمام نام سکھائے۔ (یعنی لغت عطیہ الہی ہے) لیکن اس نظریہ کی مخالفت کا علم مشہور عالم لغت ابن جنّی (۹) نے اٹھایا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ زبان نہ تو وحی ہے اور نہ ہی خدا کی ٹھہرائی ہوئی کوئی چیز۔ بلکہ یہ اصطلاحاً اختیار کردہ اور وضع کردہ ہے۔ (مراد ہے نظریہ تواضعیہ یا اصطلاحیہ) اور آیت مذکورہ میں علم سے مراد قدرت کلام و تسمیہ (نام رکھنے کی صلاحیت) ہے۔ زبان کی تشکیل و ارتقاء اور اسکی تفصیلات کو انسان کی مقدرت لغوی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاہم اس نظریہ کے باوجود ابن جنّی، «صوتی علامتوں»، (Sound Sybolism) کے نظریہ کا قائل ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ زبان میں صوت ایک اظہاراتی (تعبیری) قیمت رکھتی ہے اور ہر آواز اپنی ذات میں مخصوص معنویت لیے ہوئے ہے۔ اس نظریہ سے ابن جنّی نے اپنی کتاب

،،الخصائص،، میں ایک کامل باب میں بحث کی ہے جس کا عنوان ہے ،،باب فی تصاقب الالفاظ تصاقب المعانی،، (باب الفاظ کے طمطراق میں معانی کا طمطراق)۔ (۱۰)

یہ لغت کے بارے میں عام ابحاث کا پہلو تھا۔ جہاں تک عربی زبان کے قواعد کا تعلق ہے تو سیویہ (۱۱) نے دوسری صدی ہجری (۸ ویں صدی عیسوی) میں زبان کی زبردست خدمات انجام دیں، کی مشہور کتاب ،،الکتاب،، بعد میں آنے والے لغویین کا مرجع رہی۔ سیویہ نے عربی زبان کا مطالعہ (Discriptive) وصفی انداز میں کیا اور اس کا کام پانینی کے کام سے بڑی حد تک مشابہ ہے اسکے باوجود وہ ارسطو کی منطق اور یونان کی لسانیاتی تحقیقات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ وہ قواعد کی تشریح و توضیح میں قیاس و تعلیل سے کام لیتا ہے اور انہیں ،،منہجی،، (Methodological) غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے جس کے یونانی و رومی علمائے لسانیات مرتکب ہوئے۔ (۱۲) اس نے پہلی تین صدیوں کی زبان کا مطالعہ کیا اور اس پر قواعد کی اساس رکھی۔ اسی طرح اس نے مختلف عربی لہجات کو بھی بیان کیا اور ان کے لیے مشترکہ قواعد وضع کرنے کی کوشش کی۔ سیویہ کا اسلوب اس کی کتاب میں عام طور پر وصفی (Discriptive) تھا۔ مگر بعد کے لغویین نے اپنے عصر کی زبان کو نظر انداز کیا اور اس سے استشہاد کی بجائے سیویہ کے استشہاد کی تقلید کی اور اس کے قواعد کو معیاری قواعد قرار دیا اور کوشش کی کہ مختلف زبانوں میں جو کچھ بھی لکھا اور کہا جائے وہ انہی قواعد کے مطابق ہو۔ یہی صورت حال قرون وسطیٰ میں یورپ میں رہی۔ لسانی تحقیق جمود کا شکار ہو گئی اور لاطینی زبان ہی غالب زبان کی حیثیت اختیار کر گئی۔ کیونکہ وہ دین و ثقافت کی زبان تھی۔ روز مرہ کی زندگی میں اس کا کوئی دخل نہ تھا۔

جیسے ہی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور علم و فکر کی دنیا میں انقلاب کروٹیں لینے لگا۔ لسانیات کے میدان میں بھی تحقیق جدید کی راہیں کھلیں۔ اٹھارویں صدی میں جن مفکرین نے اس میدان میں اہم خدمات انجام دیں، ان میں روسو (۱۷۳۲) (فرانس سے) اور ہرڈر (۱۷۷۴) (جرمنی سے) مشہور ہوئے۔ ان مفکرین نے زبان کی ابتداء کے بارے میں نظریہ اصطلاحیہ کی تائید کی اور اس کا بھرپور دفاع کیا۔ پھر تاریخی اور تقابلی لسانیات کا آغاز ہوا اور انیسویں صدی میں ان تحقیقات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ زبانوں کے صوتی تغیرات کی تحقیق اور عام قوانین کا استنباط کیا جانے لگا۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں لسانیات کی دنیا کا عظیم مفکر فرڈیناڈ ڈلی سوسیر (جوسوئزر لینڈ کا باشندہ اور لسانیات کی تحقیق جدید کا بانی ہے) نے اپنی مشہور کتاب (Course of Linguistique Generale) ،،مدخل لسانیات عام،، لکھی۔ جس میں اس نے زبانوں کی وصفی تحقیق پر زور دیا۔ اس کے نزدیک تقلیدی قواعد ان زبانوں کے لئے وضع کئے گئے تھے جو عملاً موجود نہ تھیں اور اسکی بنیاد وہ زبان تھی جو ادبی اور دینی کتب میں موجود تھی اور جو صحیح و غلط کا معیار سمجھی جاتی رہی۔ پھر ان قواعد میں زبان کے صوتی پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور زبان کا کوئی مکمل تصور پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ ڈی سوسیر نے تمام زبانوں کی ایک گرامر کا نظریہ (Universal Grammar) پیش کیا جس پر ہم عصر محققین نے تائید اور رد میں دلائل دیئے۔ مختصر یہ کہ موجودہ صدی کا نصف اول لسانیات میں جس اسکول سے ممتاز ہوا وہ،،وصفی تشکیلی لسانیات کا اسکول،، (Descriptive Structural Approach) ہے۔ جس کا آغاز امریکہ سے ہوا اور پھر پوری دنیا میں توجہ کا مرکز بنا۔ اس اسکول کی شہرت

کی بنیاد بلو مفیلڈ (۱۵) کی مشہور کتاب (Language) ،، زبان ،، ہے۔ جبکہ اس صدی کے نصف ثانی میں اس نظریہ کے رد عمل میں جو نظریہ وجود میں آیا وہ نوم چومسکی (۱۶) کا ،، قواعد تحویلیہ ،، کا نظریہ تھا۔ جس میں اس نے اپنے پیشرو محققین پر کاری ضرب لگائی اور آج تک لسانیات کے موضوع پر جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس پر چومسکی کے افکار کی چھاپ ہے۔ لسانیات کے میدان میں نوم چومسکی کی کتاب ،، تراکیب نحویہ ،، (Syntactic Structures) نے بے پناہ شہرت حاصل کی۔ یہ کتاب ۱۹۵۷ء میں چھپی۔ اس میں چومسکی نے دی سوسیر کی تقسیم ،، لغت ،، اور ،، کلام ،، کو ملحوظ رکھا اور لغت (Competence) کی تعبیر اس طرح سے کی کہ یہ وہ قدرت ہے جو ایک معاشرہ کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے۔ اس کی بدولت وہ ایسے جملے تخلیق کرتا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں سنے ہوتے زبان کے اس ملکہ کو وہ معرفت لغوی کا نام دیتا ہے اور اس کے نزدیک اس معرفت کی بنیادیں وہ صرفی و نحوی قواعد ہیں جو الفاظ کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے جملہ بناتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے نزدیک لغت اور کلام میں فرق یہ ہے کہ کلام عمل کا نام ہے اور لغت اس عمل کی حدود، کلام ایک روہ ہے اور لغت اس روہ کا معیار، کلام ایک حرکت ہے اور لغت اس حرکت کا نظام، کلام بول کر سنا جا سکتا ہے اور لکھ کر دیکھا جا سکتا ہے جبکہ زبان کلام میں غور و فکر سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کلام منطوق و مکتوب ہوتا ہے، جسے کتب قواعد اور معاجم وغیرہ میں موصوف کا درجہ حاصل ہے۔ کلام کبھی صرف فرد کا عمل ہو سکتا ہے، جبکہ لغت صرف اجتماعی وجود رکھتی ہے۔

چومسکی جملوں کی معنوی توضیح کے لیے معروف قواعد کے علاوہ ،، قواعد تحویلیہ ،، (Transformational Rules) کا تصور پیش کرتا ہے۔

جن کا تعلق جملہ کی اس باطنی ترکیب سے ہوتا ہے جس میں معانی پنہاں ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک ہر ترکیب،، لغوی ظاہری،، (Surface Structure) کا ایک،، باطنی وجود،، (Deep Structure) ہے اور یہی باطنی وجود جملہ کی معنوی کیفیت پر دلالت کرتا ہے۔ تمام صرفی و نحوی و صوتی قواعد ایک ترکیب باطنی کو ترکیب ظاہری کا وجود بخشنے ہیں۔، قواعد تحویلیہ،، میں اس اعتبار سے چومسکی کا موقف لغویین کے قریب ہو جاتا ہے۔ جنہیں اسکے پیشرو لسانیات کے وصفی تشکیلی اسکول نے نظر انداز کر دیا تھا۔

چومسکی کے نظریات عام ہونے کے بعد لسانیات کا موضوع بہت وسیع ہو گیا اور یہ علم اجتماعی تحقیق کا مرکز بن گیا۔ سوشیالوجی (اجتماعیات) سوشل سائیکالوجی (اجتماعی نفسیات) اور علم الاجناس کے ماہرین نے اس علم کی طرف توجہ کی۔ یہاں تک کہ اس علم کی ہر شاخ خود ایک موضوع بن گئی۔ ترقی یافتہ ممالک کی جامعات میں یہ علم اعلیٰ تعلیمی اسناد کے ساتھ مخصوص ہے علماء عرب میں یہ علم مختلف اصطلاحات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ علم اللغہ ہے۔ ایک گروہ اسے اللسانیات سے تعبیر کرتا ہے۔ دوسرا اسے فقہ اللغہ کا نام دیتا ہے۔ اگرچہ فقہ اللغہ اس کے لیے موزوں نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق تحریر شدہ زبان اور نصوص کی تحقیق اور زبان کے تاریخی علم سے ہے اور یہ انگریزی اصطلاح (Philology) کے قریب ہے۔

ڈاکٹر سبزواری لکھتے ہیں کہ :

،، قدیم زمانے میں لسانیات کو گرامر (صرف و نحو) یا علم اللغہ یعنی علم اللسان کہا جاتا تھا۔ اس وقت یہ علم سادہ اور اپنی عمر کی ابتدائی منزل میں تھا۔ اسکے مسائل گرامر اور لغت



کے مسائل و مباحث سے گڈ مڈ تھے۔ حد فاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان امتیازی خط نہیں کھینچا جا سکتا تھا۔ لسانیات نے ایک قدم آگے رکھا اور گرامر کی چہاردیواری توڑ کر باہر آئی تو اسکا نام علم اللغہ کی جگہ فقہ اللغہ ( زبان کا فلسفہ) قرار پایا۔ آج ہم گرامر کے اس اگلے قدم کو لسانیات کہتے ہیں۔ لسانی مسائل کا پہلا قدم گرامر تھا دوسرا قدیم زبان میں فقہ اللغہ اور جدید زبان میں لسانیات ہے۔“ (۱۷)

یہاں ڈاکٹر صاحب کا جدید لسانیات کے لیے فقہ اللغہ کی قدیم اصطلاح کا استعمال محل نظر ہے۔ کیونکہ فقہ اللغہ کا تعلق تحریر شدہ زبان، نصوص کی تحقیق اور زبان کے تاریخی علم سے ہے۔ (جیسا کہ ہم لکھ چکے) اور جدید لسانیات کے لیے اس اصطلاح کا استعمال اس کے اصل معنی اور مدلول کو نظروں سے اوجھل کر دے گا۔

لاڈو نے لسانیات کی تعریف یوں کی ہے :

"Linguistics is the science that describes and classifies languages. The linguist identifies and describes units and patters of the sound system, the words and morphemes and the phrases and sentences, that is, the structure of language".

ڈاکٹر سیزواری لسانیات کی وضاحت مزید یوں فرماتے ہیں : (۱۸)

„لسانیات زبان کی تنقید ہے اور اگر تنقید تخلیق ہے تو لسانیات کو بھی تخلیق کی ایک صنف قرار دینا ہو گا۔ مشہور ماہر لسانیات میکس مولر نے گرامر اور لسانیات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں „کیا“ اور کیوں کا فرق ہے۔ گرامر کیا ہے اور لسانیات „کیوں“۔ (۱۹)

ڈاکٹر زور، جان پیل کے حوالے سے لکھتے ہیں :

„جان پیل نے ۱۸۷۷ء میں لکھا تھا کہ جس طرح کوئی ماہر نباتات پھولوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ ایک لسانیاتی ماہر ہر لفظ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دیکھتا ہے تاکہ وہ معلوم کرے کہ وہ کن اجزاء سے مرکب ہے اور ان اجزاء کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔“ (۲۰)

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ لسانیات کے علم کے تحت ان تمام مسائل سے بحث کی جاتی ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ایک زبان کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً تمام بولی جانے والی آوازیں یا سنی جانے والی آوازیں، الفاظ، تراکیب، معانی وغیرہ کا مطالعہ اور پھر ان لسانیاتی مظاہر پر اثر انداز ہونے والے نفسیاتی، حیاتیاتی اور سماجی عوامل کے اثرات کا جائزہ اس علم کے تحت لیا جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں استقرا و استنتاج کے جدید اسالیب اختیار کیے جاتے ہیں اور نتائج تک پہنچنے کے لیے دیگر علوم، مثلاً ریاضیات و منطق، علم الاعضاء، علم النفس اور علم الاجتماع وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ لسانیات در حقیقت مختلف علوم کا مجموعہ ہے جس کا ہدف انسان کے لسانیاتی مظاہر کا مطالعہ کرنا ہے۔

### لسانیات کی اہم شاخیں

ماہرین لسانیات کو دو بنیادی شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں :

۱۔ نظری لسانیات - (۲) تطبیقی لسانیات -

بعض کے نزدیک علم الاصوات تیسری شاخ ہے لیکن صحیح رائے یہ ہے کہ علم الاصوات کا مطالعہ نظری لسانیات کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اصوات بھی انسان کے لسانیاتی نشاط کی عکاسی کرتی ہیں اور بالآخر علم الاصوات کے ڈانڈے علم صرف و نحو سے

جا ملتے ہیں۔ لسانیاتی تقسیم کے اس اتفاق کے باوجود بعض مرتبہ نظری و تطبیقی پہلو ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہوتے ہیں کہ ایک کا وجود دوسرے کا مرہون منت ہوتا ہے۔ مثلاً مفردات کا مطالعہ (Morphology) اور معانی کی تحقیق (Semantics) دونوں نظری علوم ہیں جنہیں علم الالفاظ (Lexicology) کہا جاتا ہے۔ مگر انہیں سے متعلق علم معاجم (Lexicography) تطبیقی لسانیات کے تحت آتا ہے۔

۱۔ نظری لسانیات : (Theoretical Linguistics) اس عنوان کے تحت درج ذیل علوم سے بحث کی جاتی ہے۔

(۱) علم الاصوات (۲) علم القواعد (۳) تاریخی لسانیات (۴) علم الدلالة

#### ۱۔ علم الاصوات (Articulatory Phonetics)

اس علم کے تحت حروف کے مخارج اور اعضائے نطق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ علم اصوات سمعی (Acoustic Phonetics) سمعی اصوات کے علم سے مراد آواز کی لہروں کا ہوا سے گزر کر سامع کے کان تک اسکی وصولی اور اس عمل کے جملہ موثر عوامل کا تجزیہ ہے۔ اسطرح زبان میں اصوات (آوازوں) کے کردار (Phonology) کا مطالعہ بھی اس علم کا موضوع ہے۔

#### ۲۔ علم القواعد (Grammar)

اس کے دو حصے ہیں۔ (۱) علم الصرف (Morphology) جس میں کلمہ کی بناوٹ یا دوسرے لفظوں میں معنی کے حامل یونٹوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

(۲) علم النحو (Syntics) جس کا موضوع جملہ، شبہ جملہ یا

اس کی اقسام ہیں یا دوسرے لفظوں میں اس علم میں ,,نظم کلام,, کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

### ۳۔ تاریخی لسانیات (Historical Linguistics)

لسانیات کی اس شاخ کے تحت زبانوں کا ارتقاء، ان کے خاندانوں کا مطالعہ اور ملتی زبانوں کی باہمی مناسبت اور ان کے درمیان مشابہت کے اسباب اور اختلاف کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

### ۴۔ علم الدلالة (Semantics)

اس علم میں لسانیاتی رموز اور ان کی دلالت سے بحث کی جاتی ہے اور الفاظ کے معانی کا تاریخی ارتقاء واضح کیا جاتا ہے۔

### ۲۔ تطبیقی لسانیات (Applied Linguistic)

لسانیات کے اس عنوان کے تحت درج ذیل علوم سے بحث کی جاتی ہے :

#### ۱۔ نفسیاتی لسانیات (Psycholinguistics)

نفسیاتی لسانیات کا موضوع بچوں اور بالغوں میں مادری زبان کا اکتساب ہے اور اکتساب کے اس عمل کے دوران بچے پر جو حیاتیاتی، نفسیاتی اور سماجی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں ان کا مطالعہ کرنا ہے۔ اسی طرح اجنبی زبانوں کی تعلیم میں اثر انداز ہونے والے داخلی و خارجی عوامل کا جائزہ بھی اس عنوان کے تحت لیا جاتا ہے۔ مزید برآں کلام اور نطق کے عیوب کے اسباب کا کھوج بھی نفسیاتی لسانیات ہی کا موضوع ہے۔

#### ۲۔ سماجی لسانیات (Sociolinguistics)

لسانیات کی یہ شاخ معاشرہ پر زبان کے اثرات کا جائزہ

لیتی ہے۔ جغرافیائی لہجات بھی اس کا موضوع ہیں۔ معاشرے کے مختلف طبقات کی زبان اور لسانیاتی اختلاط سے بھی یہ بحث کرتی ہے۔ اس علم کا اہم میدان لسانیاتی منصوبہ بندی ہے۔ جس میں مختلف مسائل جیسے کتابت کا نظام، سرکاری زبان کا تعین اور اس کی ترقی و بقا کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

### ۳۔ مشینی لسانیات (Computational Linguistics)

لسانیات کی اس شاخ کے تحت لسانیاتی معلومات کی کمپیوٹر میں تخرین کی جاتی ہے اور پھر لسانی مطالعہ کے لیے بوقت ضرورت اس الیکٹرونی دماغ کو حرکت دی جاتی ہے۔ اس علم کا اہم موضوع خود کار ترجمہ کا نظام ہے۔

### معاجم کی تدوین :

تطبیقی لسانیات کی یہ شاخ لغات کی تدوین سے متعلق ہے۔ یہ لغات مختلف اصولوں پر تیار کی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ کبھی یک لسانی ہوتی ہیں اور کبھی دو لسانی مثلاً (اردو-عربی) اور کبھی کئی لسانی مثلاً اردو-عربی، انگریزی وغیرہ۔

### تعلیم اللغات :

تطبیقی لسانیات کی یہ شاخ سب سے اہم ہے اسلئے کہ بعض علمائے لسانیات تطبیقی لسانیات سے مراد صرف زبانوں کی تدریس (خاص طور پر اجنبی زبانیں) لیتے ہیں۔ اس عنوان کے تحت تمام وہ امور جن کا تعلق کسی طرح سے بھی زبانوں کی تدریس سے ہوتا ہے زیر بحث آتے ہیں۔ مثلاً نفسیاتی، سماجی اور تدریسی مشکلات،

تدریس کے جدید طریقے اور رجحانات ، مددگار تعلیمی وسائل  
 معلمین کی تیاری اور نصاب کی تدوین وغیرہ - (۲۱)  
 مندرجہ بالا فروع کے علاوہ بعض مغربی جامعات میں اس کے  
 علاوہ درج ذیل امور سے خاص طور پر بحث کی جاتی ہے -  
 تقابلی لسانیات اور تحلیل اخطاء :

اس عنوان کے تحت مختلف زبانوں کا تقابل کیا جاتا ہے اور ان  
 نکات کو خاص طور پر موضوع بنایا جاتا ہے جو ایک اجنبی زبان کی  
 تدریس میں طالب علم کے لیے رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں - اس کے ساتھ  
 ساتھ یہ علم طالب علم کی لسانی غلطیوں کا علمی تجزیہ بھی کرتا  
 ہے اور ان اسباب کا کھوج لگاتا ہے جس سے طالب علم غلطی کا  
 مرتکب ہوتا ہے -

تقابلی لسانیات کی ابتدا اس وقت سے ہوئی جب یونانی اور  
 لاطینی زبانوں کا ایک مشترک ماخذ تلاش کرنے کے خیالات یورپ کے  
 علماء میں بار بار پیدا ہوئے اور اکثر یہ بات ثابت کرنے کی ناکام  
 کوششیں کی گئیں کہ ان کا ماخذ عربی زبان ہے - آخر کار ایک  
 انگریز فاضل جونس (Jones) نے ۱۸۴۶ء میں اپنی لسانی تحقیقات کے  
 نتائج شائع کیے جن سے لاطینی ، یونانی ، گوتھک ، سنسکرت اور  
 کلٹک زبانوں کے اشتراک ماخذ پر روشنی پڑتی ہے - (۲۲) موجودہ  
 صدی کے نصف ثانی میں مشی گن یونیورسٹی امریکہ کے اساتذہ ان  
 تحقیقات کا ہراول دستہ ہیں - اس سلسلہ میں امریکہ میں مرکز  
 تطبیقی لسانیات قائم ہوا - جسکی نگرانی میں انگریزی زبان کا  
 ہسپانوی ، اٹالین اور جرمن کے ساتھ تقابل کیا گیا - اور اس بات پر  
 زور دیا گیا کہ طلبہ کے لیئے اجنبی زبانوں کے امتحانات ان کی مادری  
 زبانوں کے ساتھ تقابل کی بنیاد پر منظم کیے جائیں - اسطرح سے یہ

علم زبانوں کی تدریس کے عملی میدان میں داخل ہو گیا۔ اسی زمانے میں تحلیل اخطا (Error Analysis) کا نظریہ وجود میں آیا۔ جس کی اساس یہ دعویٰ تھا کہ تحلیل تقابلی کے نتیجہ میں ضروری نہیں کہ ان تمام مشکلات کا احاطہ کر لیا جائے جو ایک اجنبی زبان سیکھنے والے طالب علم کو پیش آتی ہیں۔ کیونکہ تحلیل تقابلی کی بنیاد علم نفس کے اصطلاح میں لغوی تداخل (Linguistic Interference) اور انتقال تجربہ (Transfer of Experience) ہے۔ جبکہ ایک طالب علم کی لسانیاتی مشکلات ان دو امور پر منحصر نہیں بلکہ اسلوب تعلیم، لغوی نمو اور مطلوبہ زبان کی ساخت اور اس قسم کے دیگر امور ایک زبان کے سیکھنے کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نظریہ تحلیل اخطا کے داعیوں کے مطابق یہی وہ نظریہ ہے جس سے طلبہ کی لسانیاتی مشکلات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں نظریات میں کوئی باہمی تعارض نہیں۔ دونوں طریقوں کا استعمال زبان کی تدریس میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ (۲۳)

### تقابلی لسانیات کیوں؟

مشہور ماہر لسانیات لاڈو نے کئی لسانیاتی امتحانات کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ اجنبی زبان کی سہولت اور صعوبت کا راز مادری زبان کے ساتھ اس کے تقابل میں مضمحل ہے۔ لسانیاتی تقابل کی ضرورت دراصل زبانوں کے درمیان گہرے روابط اور اشتراک کی بنا پر پیش آتی ہے۔ کیونکہ ایک زبان کی غلطیاں دوسری زبان کے توسط سے ہوتی ہیں، جسکا لسانیاتی مزاج پہلی زبان سے مختلف ہوتا ہے۔ اور اس کا عکس بھی درست ہے کہ ایک زبان کا علم دوسری کے

سیکھنے میں معاون ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب اصلی زبان اور مطلوبہ (هدف) زبان میں گہری مماثلت ہو۔ زبانوں کے اسی اشتراک و اختلاف کو واضح کرنے کے لیے تقابلی لسانیات کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ زبانوں کے باہمی تشابہ اور تخالف کی بنا پر سر زد ہونے والی غلطیوں سے بچا جا سکے اور سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ تقابلی لسانیات کی روشنی میں زبان کی نصابی کتب کا بھی جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ کیا ایک کتاب لسانیاتی اشتراک و اختلاف میں پیدا ہونے والی سہولتوں اور مشکلات کا احاطہ کرتی ہے یا نہیں۔ اور اگر یہ تقاضہ پورا نہ ہو رہا ہو تو نیا تعلیمی مواد اس علم کی روشنی میں تیار کیا جا سکتا ہے۔ تمرینات مرتب کی جا سکتی ہیں۔ جو یہ تقاضہ پورا کرتی ہوں۔ یہ لسانیاتی تقابل اصوات، قواعد، مفردات (ذخیرۃ الفاظ) میں کیا جاتا ہے۔ جبکہ زبانوں کے باہمی ثقافتی اختلافات کی بنا پر ثقافتی اعتبار سے تقابلی مطالعہ اپنی جگہ منفرد اہمیت رکھتا ہے۔

لاڈونرے تقابلی مطالعہ کی اہمیت یوں واضح کی ہے :

"Of special interest to the language teacher is contrastive linguistics, which compares the structures of two languages to determine the points where they differ. These differences are the chief source of difficulty in learning a second language.

The linguist takes up each Phoneme in the native language and compares it with the phonetically most similar ones in the second language. He describes their similarities and differences. He takes up the sequences of Phonemes and does likewise. Morpheme and syntax patterns are also



compared and the differences described. The results of these contrastive descriptions form the basis for the preparation of language texts and tests, and for the correction of students bearing a language!"(24)

## حواشی

- ۱- القرآن ، الذاریات - ۲۱
- ۲- حم سجدہ ، ۵۳
- ۳- الرّوم ، ۲۲
- ۳- الذاریات ، ۲۲
- ۵- الرّحمن ، ۳- ۳
- ۶- پانینی : دنیا کا پہلا معلوم عالم لسانیات ، سنسکرت کی قواعد کا مصنف ، جو دنیا کی قدیم ترین گرائمر ہے۔ پیدائش ، چوتھی صدی قبل مسیح .
- <- تالیف خرما : اضواء علی الدّراسات اللّغویة المعاصرة : ( الکویت ، مطابع الیقہہ ) ۱۹۶۸ء .  
ص - ۹۰
- ۸- ابو الحسن احمد بن فارسی المتوفی ۳۹۵ھ - چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر کا مشہور لغوی . لغت کی مشہور کتاب مکایسیس اللّغہ ، اور ،،المجمل،، کے علاوہ تو کیا چالیس کتابوں کا مصنف .
- ۹- ابن جتّی : ابو الفتح عثمان ابن جتّی ، المتوفی ۳۹۲ھ - نحو ، لغت اور عربی علم الاصوات کا امام ( حاشیہ )
- ۱۰- ابن جتّی : الخصائص ، الجزء الثاني ص - ۵۹ . ( دارالکتب ، القاہرہ ) ۱۹۵۲ء .
- ۱۱- عمرو بن عثمان سیبویہ : المتوفی ۱۸۵ھ ، نحو میں بصرہ کے مکتبہ فکر کا امام اور نحو کی مشہور کتاب ،،الکتاب،، کا مصنف ، جو قرآن نحو مشہور ہے۔
- ۱۲- تمام حسان :،،اللغة بین المعیاریة والوصفیة ،، ( مصر ، مکتبۃ الانجلو ) ۱۹۵۸ء ، ص ۲۳- ۲۵
- ۱۳- رو سو ، المتوفی ۱۶۶۸ء فرانس کا مشہور فلسفی ، انشا برداز اور ماہر عمرانیات .
- ۱۳- ہرڈر ، المتوفی ۱۸ دسمبر ۱۸۰۳ء جرمنی کا مشہور نقاد ، فلسفی اور ماہر لسانیات "Essay on the Origin of Language" کا مصنف -
- ۱۵- بلو مفیلڈ ، المتوفی ۱۸ اپریل ۱۹۳۹ء بیسویں صدی کا مشہور ماہر لسانیات جس کی کتاب "Language" (۱۹۳۳ء) لسانیات کی دنیا میں مشہور ہوئی -
- ۱۶- نام چومسکی ، ولادت < دسمبر ۱۹۲۸ء فلاڈیلفیا - امریکہ ماہر لسانیات ، ادیب ، اور ماہر سیاسیات . مصنف

- ۱۷ - شوکت سبزواری ڈاکٹر : لسانی مسائل (کراچی، مکتبہ اسلوب) ۱۹۶۲ء، ص - ۸
- ۱۸ - Lado: Language Teaching, Tata, Dehli), 1976, p. 18, 19.
- ۱۹ - سبزواری : لسانی مسائل ص - ۱۳
- ۲۰ - سید محی الدین قادری زور، ڈاکٹر : ہندوستانی لسانیات، ( مکتبہ معین الادب لاہور ) ۱۹۶۱ء ص - ۲۲
- ۲۱ - Lado: Language Teaching by Lado, Chapter-2 P. 11-22.
- Winfriid-P, Lehmann, descriptive Linguistics (Random House) Newyork 1975 Chapter 12, 13, 14, 15,
- ۲۲ - سید محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، مکتبہ معین الادب لاہور : ۱۹۶۱ء ص - ۲۷
- ۲۳ - الصینی، محمود اسماعیل : التقابل اللغوی وتحلیل الاخطا (سعودی عرب، جامعہ ملک سعود) ص - ۱
- ۲۴ - Lado: Language Teaching. P.21.

